



تاریخی فیصلہ

مفتی منیب الرحمن

آخر کار جناب جسٹس دوست محمد کھوسہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے پانچ رکنی بنچ نے 28 جولائی کو ”تاریخی فیصلہ“ سنا دیا، جس کے نتیجے میں جناب نواز شریف کو نا اہل قرار دے کر وزارت عظمیٰ سے معزول کر دیا گیا، اس پر متضاد آراء ہیں کہ یہ نا اہلی کتنے عرصے کے لیے ہے۔ اس پر بھی بحث ہو رہی ہے کہ جے آئی ٹی کی تحقیق کی نگرانی اور رپورٹ کی سماعت جناب جسٹس اعجاز افضل خان کی سربراہی میں سہ رکنی بنچ نے کی، تو حتمی فیصلہ لارجر بنچ نے کیوں سنایا، جبکہ بقیہ دو فاضل جج صاحبان تفصیلی سماعت کا حصہ نہیں تھے۔ میری دانست میں اس کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سال بنچ کے فیصلہ سنانے کی صورت میں انٹرا کورٹ اپیل کی شاید گنجائش رہتی ہے، لیکن لارجر بنچ کی صورت میں یہ گنجائش نہیں رہی اور ریویو پٹیشن کا بنچ اور وکلاء بھی وہی ہوتے ہیں، اس لیے یہ مشق بے سود ہوتی، یہی وجہ ہے کہ فیصلے پر عملدرآمد بھی فی الفور ہو گیا۔ عدالتی فیصلہ آئینی و قانونی طور پر نافذ ہو جاتا ہے، لیکن اُس کے حُسن و قبح پر بحث جاری رہتی ہے اور یہاں بھی جاری رہے گی۔

جناب جسٹس اعجاز افضل خان نے کہا تھا: ”ہمارا فیصلہ تاریخی ہوگا، اسے سو سال تک یاد رکھا جائے گا“۔ چند روز قبل علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمن نے کہا: ”ہمیں تاریخی انصاف نہیں چاہیے، حقیقی انصاف چاہیے“۔ مولانا پختہ کار سیاست دان ہیں، اس لیے ”پہلے تو لو اور پھر بولو“ کے اصول پر عمل کرتے ہیں، مغلوب الغضب نہیں ہوتے، ہوش میں بات کرتے ہیں، پس دل کی بات کہہ بھی دی اور نا پختہ کار طلال چوہدری اور نہال ہاشمی صاحبان کی طرح تو بین عدالت کے نوٹس کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا۔ پاکستان کی عدالتی تاریخ کے تناظر میں ”تاریخی فیصلہ“ کرنے والے عالی مرتبت جج صاحبان میں جسٹس محمد منیر، جسٹس مشتاق حسین، جسٹس انوار الحق مع رفقائے کار، جسٹس ارشد حسن خان مع رفقائے کار (بشمول جسٹس افتخار محمد چوہدری) اور جسٹس عبدالحمید ڈوگر وغیرہ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ ماضی میں ہماری باوقار عدالتوں نے مختلف مواقع پر مارشل لا کو سند توثیق اور آمروقت کو استدعا کے بغیر دستور میں ترمیم کا اختیار بھی عطا کیا۔ مولانا فضل الرحمن کا اشارہ اسی ”تاریخ“ کی جانب تھا، جس پر بعد میں جسٹس ڈاکٹر نسیم حسن شاہ اظہارِ ندامت کرتے رہے، لیکن یہ پیشانی ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کا مصداق بنتی ہے۔ یہ ”تاریخی فیصلہ“ پاکستان کی دستوری اور قانونی تاریخ میں کیا مقام پائے گا، اس کا فیصلہ تاریخ کرے گی۔

ہمارے اہل علم کے درمیان جب علمی اور فقہی مسائل پر مجلس تحقیق منعقد ہوتی ہے، تو ہر صاحب علم کو موقع دیا جاتا ہے کہ وہ حسبِ منشا اپنے مقدمات ترتیب دے کر اپنا موقف بیان کریں تاکہ اُن کے استدلال کی بنیاد سامنے آجائے، اُس کے بعد اُن سے سوالات یا وضاحت کی نوبت آتی ہے۔ اس مقدمے میں جو منظر ہم نے دیکھا کہ نوبت کے کارروائی شروع ہوئی اور جج صاحبان کے سوالات کے ٹکڑ چلنے شروع ہو گئے، ایسے میں اپنا موقف پیش کرنے والا چکرا جاتا ہے۔ پھر بعض سوالات درجنوں بار دہرائے گئے اور بعض نہ علمی سطح کے تھے، نہ عدالتی وقار کے شایانِ شان تھے، مثلاً: (۱) یہ سوال کہ ابوظہبی سے کسٹم کلیئرنس آپ نے دیدی، دینی اور ابوظہبی کے درمیان کسٹم کارڈ کہاں ہے، یہ بات تو ایک عام آدمی کو بھی معلوم ہے کہ متحدہ عرب امارات ایک ملک ہے اور امارات کے اندر آمد و رفت اور نقل و حمل آزادانہ ہوتی ہے، کسٹم یا امیگریشن چیک پوسٹ نہیں ہوتی، بلکہ اب تو شٹنن ممالک کے درمیان بھی یہی صورت حال ہے، حالانکہ وہ سب الگ الگ ملک ہیں، (۲) چھٹی والے دن نوٹری پبلک نے دستاویز کی تصدیق کیسے کر لی، اس پر معلومات کا انبار لگ گیا کہ مغربی ممالک میں نوٹری پبلک کے دفاتر چھٹی کے دن بھی کھلے ہوتے ہیں، وہ کسی کے گھر آکر بھی تصدیق کر سکتے ہیں۔ جناب جسٹس دوست محمد کھوسہ نے جب ریمارکس دیے کہ پارلیمنٹ میں سراج الحق کے سوا کوئی بھی آرٹیکل 62/63 پر پورا نہیں اترتا، تو اس کے التزامی معنی یہ تھے کہ منتخب ایوانوں میں سب کاذب اور خائن بیٹھے ہیں، لیکن بعد میں انہیں احساس ہوا اور انہوں نے بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ریمارکس واپس لے لیے، لیکن بصدا ب عرض ہے کہ عالی مرتبت جج صاحبان کو کوئی بھی ریمارکس دینے سے پہلے کئی بار سوچنا چاہیے۔

یہ بھی ایک سوال ہے کہ فوت شدہ شخص کا احتساب ہونا چاہیے، محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد اُن کے بعض مقدمات لپیٹ دیے گئے، تو میاں محمد شریف مرحوم کے معاملات کو زیرِ بحث لانا آیا عدالتی روایات سے مطابقت رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ سوال کہ دادا نے پوتوں کو ہبہ کیا تو دوسرے وارثوں کو کیوں نہ دیا؟۔ شریعت کی رُو سے یہ سوال نہیں بنتا، اول اس لیے کہ ورثا کا تعین کسی شخص کی وفات کے بعد ہوتا ہے، زندگی میں نہیں ہوتا، زندگی میں صرف ہبہ ہوتا ہے، حدیثِ پاک میں اس امر کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے کہ زندگی میں اولاد کے درمیان ہبہ میں مساوات ہو، لیکن اس کا اطلاق پوتوں پر نہیں ہوتا، کیونکہ کسی کے انتقال کے بعد اولاد کی موجودگی میں پوتے پوتیاں وارث نہیں بنتے۔ یہ سوال بھی قائم رہے گا کہ اسٹیکس کورٹ کا براہِ راست کسی شخص کو نا اہل قرار دینا اگرچہ عدالت کے اختیار میں ہے، لیکن انصاف کے فطری اصولوں کے منافی اور عدالتی اختیار کا غیر حکیمانہ استعمال ہے، کیونکہ متاثرہ شخص اگر سمجھے کہ اس کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے تو سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد اس کے پاس انصاف طلبی کا کوئی عدالتی فورم باقی نہیں رہتا۔ جناب نعیم بخاری نے بھی جناب عمران خان کی نا اہلی کے مقدمے میں یہی موقف اختیار کیا کہ سپریم کورٹ کو اس آرٹیکل کے تحت نا اہل قرار دینے کا اختیار نہیں ہے۔ ”شک کا فائدہ ملزم کو ملتا ہے اور قصور وار کا سزا سے بچ جانا بے قصور کو سزا ملنے سے بہتر ہے“، یہ نظریات انسانی دانش کے طویل تجربات کا نچوڑ ہیں اور یہی اسلامی تصورِ عدل ہے۔ واضح رہے کہ ہم اس حوالے سے صرف اُن آئینی و قانونی ماہرین کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں جو مدعی یا مدعی علیہم میں سے کسی کے ساتھ وابستگی یا تعصب و نفرت نہیں

رکھتے اور صرف آئینی و قانونی معیارات پر آزادانہ رائے دیتے ہیں: جیسے جناب ایس ایم ظفر، جناب عرفان قادر، جناب ڈاکٹر خالد رانجھا، جناب جسٹس ناصر اسلم زاہد اور جناب عابد منٹو وغیرہ۔ پس یہ فیصلہ مسلمہ آئینی و قانونی اقدار و روایات کے اعتبار سے کئی مضمرات کا حامل ہوگا اور آئندہ کے لیے عدالتی نظیر بنے گا، پس وقت بتائے گا کہ یہ فیصلہ ہماری عدالت عظمیٰ کے فاضل بنج کے لیے مستقبل میں نیک نامی کا باعث بنے گا یا ایک ملامت بن کر رہ جائے گا۔ اسی طرح پاکستان کے تناظر میں سعودی عرب یا دبئی کا اقامہ ایک لطیفے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، پس اقامہ رکھنے والے تمام سیاستدانوں، صنعتکاروں و تاجروں اور بیوروکریٹس کو کسی عامل سے ”دفعہ بلا“ کا وظیفہ پڑھواتے رہنا چاہیے، کیونکہ کسی وقت اُن کی گردن بھی پھنس سکتی ہے، کئی عاملوں کو روزگار مل جائے گا۔ سو جو چیز نااہلی کا سبب بنی، پٹیشن میں اس کا ذکر نہیں تھا، جناب فیض احمد فیض نے کہا تھا:

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

بزمِ خویش موجودہ دور کے انقلابی اور گھٹا لہ سیاستدان جناب سراج الحق پانا مالکس کے 600 مدعی علیہم کی بابت استدعائے کر گئے تھے، اُن کی کامیابی کا تناسب صرف 17% فیصد ہے، اسی لیے جناب عبداللہ طارق سہیل نے ان پر ”بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ“ کی پھبتی کہی تھی۔ اب یہ ان پر منحصر ہے کہ اپنی کامیابی کا جشن منائیں یا ناکامی کا غم۔ پیپلز پارٹی بھی آخر میں آکر شامل باجا ہوئی۔ صرف وزیر اعظم نواز شریف تو جناب عمران خان کا ہدف تھے اور انہیں اس میں کم از کم پانچ سو فیصد کامیابی ملی، کیونکہ جناب نواز شریف کے پورے خاندان اور معاونین سمیت کئی افراد کے خلاف نیب میں ریفرنسز کھولنے اور مقررہ مدت میں تکمیل کا حکم صادر ہوا ہے، لہذا انہیں جشن منانے کا پورا حق حاصل ہے۔ ایک امکان ابھی پردہ خفا میں ہے کہ آیا اب وزیر اعظم ہاؤس بنی گالہ سے صرف ایک بخت کے فاصلے پر رہ گیا ہے یا ابھی: ”ہزاروں لغزشیں حائل ہیں لب تک جام آنے میں“۔

ہمارے اہلسنت تو معمولی خوشی پر بھی قناعت کرنے والے سادہ لوگ ہیں، مجھے بتایا گیا کہ ممتاز قادری شہید کے حوالے سے وہ اس فیصلے پر بے انتہا خوش ہیں اور سوشل میڈیا پر شادمانی کا ایک جشن پھا ہے، وہ یہ بھول گئے کہ اسی بنج کے سربراہ فاضل بنج نے ممتاز قادری شہید پر دہشت گردی کی دفعہ بحال کر کے اسے دوبار سزائے موت کا حقدار قرار دیا تھا اور ریو پو پٹیشن کو بھی مسترد کر دیا تھا، میں نے 5 مارچ 2016ء کے کالم میں لکھا تھا:

”حکومتِ وقت نے چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح شب خون مارا اور رات ایک بجے ممتاز حسین قادری شہید کی سزائے موت کو نافذ کرنے کا فیصلہ کیا، کیا کسی دہشت گرد کے ساتھ بھی ایسا سلوک روا رکھا گیا ہے؟۔ یہ ان حکمرانوں کی شقاوت اور بد نصیبی ہے اور انہوں نے اس کا ارتکاب کر کے اپنے زوال کی پہلی اینٹ خود ہی رکھ دی ہے اور اپنی عاقبت کو برباد کیا ہے، انہوں نے اپنے چہرے پر ایسی کالک مکی ہے، جسے تاریخ کے صفحات سے کبھی بھی مٹایا نہیں جاسکے گا۔“ اسی طرح جمعۃ المبارک کے دن فیصلے کے اعلان کا سبب بعض حضرات نے جمعہ کی چٹھی کی منسوخی کا وبال قرار دیا ہے، سو جتنے منہ اتنی باتیں۔ البتہ ہمارے دوست کیپٹن صفدر صاحب کے بارے میں کیا کہیں گے، وہ تو بہتوں سے زیادہ پختہ اور خاندانی سنی ہیں۔